شاذیہ اکبر
پی ایچ ڈی اسکالر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
ڈاکٹر شیر علی
چیئرمین اردو ڈیپارٹمنٹ، الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

اردو نسائی زبان کے چند تہذیبی پہلو

Shazia Akbar
PhD Scholar, NUML, Islamabad
Dr. Sher Ali
Chairman, Urdu Department, Alhamd Islamic University, Islamabad

Some Aspect of Civilization of Feminist Urdu Language

It is quite obvious by the study of history that in every civilization of the world, there had been numerous differences between the life of men and women and language had been strong references of gender distinction. All languages of the world and their literatures reflect the fact that the language of women is comparative softer and more cultured. There are so many reasons behind these social and linguistics changes. The study of these differences and changes is on one hand very interesting and on the other hand, it is very important from social, cultural, literary and linguistic point of view. In this article, all these aspects have been studied and analyzed.

Keywords: *Feminism, Language, Culture, Civilization, Urdu*

انسانی تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ دنیا کی ہر تہذیب میں مرد و عورت کی زندگی کے بے شمار تفریقی حوالے ہمیشہ موجود رہے ہیں اور ان تفریقی حوالوں میں سے ایک مضبوط حوالہ زبان بھی ہے۔ دنیا کی تمام زبانیں اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہیں کہ عورت کی زبان مرد کی زبان سے نسبتاً زیادہ خالص اور قدیم ہوتی ہے اور یہ سب بنیادی طور پر سماج میں عورت اور مرد کے کردار، ان کی حیثیت اور معمولاتِ حیات کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے اور اسی کے باعث دونوں کے ہاں الفاظ کے انتخاب سے لے کر لہجے و تاثیر تک اپنی اپنی ترجیحات اور مزاج الگ الگ ہوتے ہیں۔ زبان اچانک دریافت ہو جانے یا ایجاد ہونے والی چیز نہیں ہوتی اس کی تشکیل میں صدیوں کا زمانی و مکانی

سفر اپنے اثرات مرتب کرتا ہے انسانی زندگی کے معمولات ،ضروریات اور مشاغل زبان کی تشکیل میں اپنا بنیادی کردار ادا کرتے ہیں اور پھر ہر تہذیب چاہے وہ مصری ہو یا یونانی، افریقی ہو یا ہندوستانی اپنے اپنے تہذیبی عناصر زبان میں شامل کرتی ہے۔ مختلف تہذیبوں میں وہاں کے ماحول ،سماجی حالات ،سیاسی اور جغرافیائی تبدیلیوں اور خانگی معاملات کے ساتھ بنتی پروان چڑھتی ثقافت بھی اپنے اندر یہ تمام اثرات سمیٹے ہوئے مرد وزن کی زبان میں فرق کو نمایاں کرتی ہے علم حیات کے ماہرین کا بھی ماننا ہے کہ عورت اپنی ظاہری شکل وصورت اور اعضا کے علاوہ اپنے خون کے ذرات تک میں اپنے خلیا یعنی ٹشو سیلز تک میں مردوں سے جدا ہے۔

Alaxis Carrel نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

> " عورت کے جسم کے ہر خلیے میں نسوانیت کا اثر موجود ہے اور یہی بات اس کے اعضاء کے متعلق بھیدرست ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ بات اس کے اعصابی نظام کے متعلق بھی درست ہے۔"(۱)

خلیاتی اور اعصابی نظام کے علاوہ عورت اور مرد کی زندگی کے بیشتر معاملات میں ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے باعث ان کی زبان کا مختلف یا قدرے مختلف ہونا کوئی بعید از قیاس عمل نہیں ہو سکتا اور نہ صرف اردو بلکہ دنیا کی ہر زبان میں یہ فرق موجود ہے۔انسائیکلوپیڈیا اف بریٹانیکا کے نویں ایڈیشن میں لکھا تھا An article about Totemis ماہرینِ علم بشریات جیمز جارج فریزر نے ۱۸۸۸ میں

> "آسٹریلیا میں اکثر ایسا دیکھا جاتا ہے کہ مرد عورت کی زبان بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے اور شادی کے بعد اپنی اپنی بولی بولتے ہیں مغربی وکٹوریا کی بعض قوموں میں مرد اس عورت سے شادی نہیں کر سکتا جو وہی زبان بولتی ہے جو مرد کی زبان ہے اور قبل شادی کے جب ایک دوسرے کے قبیلے میں جاتے ہیں تو اس قبیلہ کی زبان میں گفتگو کرنا ممنوع ہے"(۲)

زمانہ قدیم سے اکثر قبائل میں مردوں اور عورتوں کے مشاغل اور کام الگ الگ ہوتے تھے اور وہ عملی زندگی سے برسرپیکار رہتے تھے ان کے جدا جدا حلقوں میں زبان بھی الگ الگ پروان چڑھتی جاتی تھی۔ "اردو میں لسانی تحقیق" میں شامل مولوی عبدالحق کا مضمون اسی موضوع یعنی "عورتوں کی زبان" پر مشتمل ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ زمانہ قدیم سے ہی عورتوں کی زبان مردوں کی زبان سے مختلف ہوا کرتی تھی اور عورتیں مردوں کی

زبان سمجھ لیتی تھی مگر بولتی نہ تھی مرد بھی نسائی زبان کے الفاظ و محاورات بالکل نہیں بولتے تھے۔عورتوں میں یہ صلاحیت پائی جاتی ہے کہ وہ زیادہ مہذب اور شائستہ الفاظ استعمال کرتی ہیں اور زبان کے معاملے میں پرانی روش کو کم چھوڑتی ہیں ، گالی گلوچ مردوں کی طرح تو نہیں کرتیں مگر طعنے تشنے اور کوسنے میں ان کا ثانی نہیں ۔موا ،موئی، نگوڑا، نگوڑی، کَرم جلی، ناس پٹے، مردوے، نگوڑے، جنم جلے، اُڑ جائے، آگ لگے، لُو کا لگے جیسے الفاظ کا ذخیرہ ان کے ہاں وافر مقدار میں ہوتا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"مرد بہت سے ایسے الفاظ اور کلمات استعمال کرتے تھے جو عورتیں سمجھ لیتی تھی لیکن کبھی زبان سے نہیں نکالتیتھیں۔ایسے کلمے صرف مردوں سے مخصوص ہوتے تھے ۔اسیطرح عورتوں میں ایسے الفاظ اور کلماتکا رواج تھا جو مرد کبھی زبان پر نہیں لاتے تھے اور جو کوئی بھی استعمال کر بیٹھتا تو اس کی خوب ہنسی اڑائی جاتی تھی"(۳)

ہندوستانی تہذیب میں فروغ پانے والی اردو زبان کی بابت یہ کہا جائے کہ اس میں یہ تفریق و تمیز دیگر زبانوں سے کافی زیادہ ہے تو بے جا نہ ہو گا کیونکہیہاں کی تہذیبی روایات میں پردے کی روایت اور سماجی حیثیت کے باعث نسائی زبان اپنی تعمیر و تشکیل میں مردوں کی عام اردو زبان سے کافی مختلف ہوتی چلی گئی اور آج اردو زبان میں ایک بہت بڑا ذخیرہ ایسا موجود ہے جسے "نسائی زبان" کی دین کہا جا سکتا ہے۔یورپی تہذیب میں بھی طبقاتی تقسیم ہمیشہ موجود رہی مگر ہندوستانی تہذیب میں یہ تفریق بہت زیادہ تھی ۔یہاں پنچ ذات اور اونچی ذات کے درمیان بہت بڑی خلیج حائل رہی ،طبقاتی تقسیم بھی زبان پر اثر انداز ہوتی رہی اور مختلف مذاہب اور طرزِ فکر سے تعلق رکھنے والی ہندوستانی عوام کہیں ہندو کہیں مسلم، کہیں شودر اور برہمن، کہیں سکھ ،عیسائی اور پارسی مختلف ت حیثیتوں میں تقسیم در تقسیم بھی ہوتے رہے اور ہندوستانی رسم و رواج ہر طبقے، ہر قوم پر اثر انداز ہوئے۔قدیم اصناف ادب میں بھییہ تفریقِ زبان کسی نہ کسی صورت میں ضرور مل جاتی ہے ہندوستانی ادبی صنف "ناٹک" میں بھی عورت کی زبان اور اس کے الفاظ مردوں کی زبان سے الگ ہوا کرتے تھے اور یہی فرق ناٹک میں اونچے اور نچلے طبقے کے کرداروں کے مکالمے میں بھی موجود تھا علی عباس جلالپوری "روایات تمدن قدیم" میں لکھتے ہیں :

زبان کے اعتبار سے ہندوؤں کے ناٹک میں ایک بات ایسی ہے جو کسی اور قوم کے ڈرامے میں کبھی دکھائی نہیں دے گی اور وہ یہ ہے کہ اشخاص ڈرامہ میں ہر شخص اپنی

حیثیت اور درجے کے مطابق ایک خاص زبان میں بات کرتا ہے عوام پراکرت بولتے
ہیں سنسکرت شرفا کے لیے مخصوص ہے "(۴)

یہ فرق صرف مردوں اور عورتوں کی زبان میں نہیں بلکہ دنیا کی ہر زبان میں حتا کہ شہری اور دیہی زبان میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ عورت کی زبان زیادہ خالص سمجھی جاتی ہے کیونکہ اس کا سماجی دائرہ اتنا وسیع نہیں ہوتا، بہت سے دنیاوی کاروباری اور معاشرتی معاملات سے ان کا بلاواسطہ تعلق نہیں ہوتا اور ان کا میل جول بھی زیادہ تر عورتوں ہی سے رہتا ہے اس لیے ان کی زبان پر خارجی دنیا کے اثرات بہت کم پڑھتے ہیں۔

عورتیں زیادہ کھلے لفظوں میں بہت سے نجی معاملات پر بھی گفتگو کرتے وقت رمز وایما کو پیش نظر رکھتی ہیں۔ بلکہ وہ تو ساری عمر شوہر کا اصل نام تک زبان پر نہین لاتیں اور اس کے لیے دیگر اصطلاحی نام رکھے ہوتے ہین جیسے میری ساس کا بیٹا، منے کا ابا وغیرہ، اردو زبان میں الفاظ کا بڑا ذخیرہ ایسا موجود ہے جو مخصوص نسائی زبان لب ولہجے اور جذبات کیا عکاسی کرتا ہے اور ہزاروں روز مرہ محاورات ضرب الامثال اور کہاوتیں ایسی ہے جو نسائی زبان کا مخصوص حوالہ ہیں مثلاچند کہاوتیں جو نسائی زبان کی دلالت کرتی ہیں پیش ہیں جیسے: تیلی بھی کیا تو سوکھا ہی کھایا، توے کی تیری ہاتھ کی میری، غریب کی جورو سب کی بھاوج، گڑ کھاؤں گلگلوں سے پرہیز، سر سہلائے بھیجا کھائے، اندھے کی جورو کا اللہ بیلی، کچھ گیہوں گیلے کچھ جندر ڈھیلے، منہ لگائی ڈومنی گاوے تال بہ تال، جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا ، آٹے کا چراغ اندر رکھوں تو چوہا کھائے باہر رکھوں تو کوا لے جائے، ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، بخشو بلی چوہا لنڈورا ہی بھلا، باسی رہے نہ کتا کھائے، نہ کر ساس برائیاں تیرے آگے بھی جائیاں، مرغی کا گوہ لیپنے کا نہ پوتنے کا، گھی بنائے سالنا اور بڑی بہو کا نام وغیرہ۔

ہندوستان میں مردانہ معاشرت زنانہ معاشرت سے کافی الگ ہے بلکہ بعض گھرانوں میں مرد بچے کو پانچ چھ سال کی عمر کے بعد مردان خانے میں ہی رکھا جاتا تھا تاکہ مردوں والی عادات و خصائل پیدا ہوں وہ صرف ضرورت کے وقت زنان خانے میں جاسکتے تھے۔ یوں اس بات کا احتمال اور بھی کم ہو جاتا ہے کہ وہ زنانہ الفاظ اپنی گفتگو میں شامل کریں۔ خواتین زبان دانی کے معاملے میں مردوں سے بہت آگے ہیں کیونکہ زود گو واقع ہوئی ہیں ان کے ہاں محبت، نفرت، دکھ، ملال، افسوس، حسد، جلن، چغلی، جھوٹ الغرض ہر طرح کے جذبات اور ضرورت کے اظہار کے لئے الفاظ کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہوتا ہے۔ بہت سے لایعنی معاملات پر بھی گھنٹوں بلکہ دنوں تک بول سکتی ہیں جبکہ مرد عموماً سیدھی بات کرتے ہیں عورتیں بات کو گھمانے اور الفاظ کا گورکھ دھندہ بنانے میں اپنا ثانی نہیں

رکھتیں۔ ایک چینی کہاوت ہے کہ زبان عورت کی تلوار ہے جسے وہ کبھی زنگ نہیں لگنے دیتی۔ شرم وحجاب کے باعث زیادہ تر ذو معنی، علامتی اور اشاراتی گفتگو کرتی ہیں جبکہ مردوں میں یہ عادت نہیں ہوتی۔ جیسے حکیم سے بھی بات کرتے وقت رحم یا بچہ دانی کو ٹھیکری کہنا، ماہواری کو کپڑے آنا یا پھول کھلنا کہنا، انگیا کی کٹوری، انگیا کی چڑیا، کچابر تن یعنی کم عمر، دن اوپر ہونا یا دن چڑھنا یعنی ماہواری مقررہ تاریخ پہ نہ ہونا، دو جی سے ہونا، مانگ سے ٹھنڈی ہونا، کوکھ سے ٹھنڈی ہونا، ان گنا مہینہ لگنا، ک پاؤں بھاری ہونا یا کھٹے میٹھے کے دن ہونا یعنی حمل سے ہونا وغیرہ۔ وہ ایک کیفیت، ایک جذبے، ایک واقعے ایک تاثر کو کئی طرح سے بیان کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اردو زبان کو نسائی زبان پر مشتمل الفاظ کا ایک بڑا ذخیرہ خواتین کی اسی صلاحیت کی بدولت نصیب ہوا جس نے اردو کے دامن کو وسیع کیا کیونکہ کسی بھی متمدن زبان کی پہچان اس کے ذخیرہ الفاظ سے ہوتی ہے۔ مذہبی عبادات ہوں یا ثقافتی اقدار، علوم و فنون کی ترسیل اور اختراع میں بھی نسائی زبان کا بڑا کردار رہا ہے علامہ نیاز فتح پوری لکھتے ہیں:

> یہ عورتیں غلام کی حالت میں نئی جگہ پہنچ کر اپنی صنعتوں کو بھی رائج کرتی تھیں اور اپنی زبان کی اشاعت بھی کرتی تھی اگر ان کی تعداد زیادہ ہوتی تو باہم اپنی اصلی زبان میں گفتگو کرتی اور نئی زبان بھی سیکھتیں "(۵)

اردو کے مختلف قبائل میں شادیوں کی وجہ سے بھی زبان سفر کرتی اور تشکیل پاتی رہی لفظ کسی بھی زبان کی لغت یا نصاب کا حصہ بننے سے پیشتر اس زبان کے بولنے والوں کے ہاں پہلے تشکیل پاتے ہیں یا جنم لیتے ہیں پھر ان کی ترسیل و تفہیم کا سفر شروع ہوتا ہے وہ خام ہوتے ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور برس ہا برس کے استعمال سے اپنی جگہ بناتے ہیں اپنے مفاہیم واضح کرتے ہیں ہر لفظ کی اپنی عمر ہوتی ہے وہ جس طرح ضرورتاً جنم لیتے ہیں اسی طرح ان کی ضرورت اور پھر استعمال ختم ہو جانے کے بعد مر بھی جاتے ہیں یا متروک ہو جاتے ہیں۔ آج سینکڑوں الفاظ ایسے ہیں جو صرف لغات میں دفن ہیں۔

> پنڈت برج موہن دتہ کا کہنا ہے کہ "عالم اصطلاحیں گھڑتا ہے اور ادیب محاورے بناتا ہے، شاعر صنائع بدائع کی پیدائش کا سبب ہوتا ہے لیکن عام الفاظ لوگ بناتے ہیں"(۶)

عورت کی زبان کو ہم اس کی سماجی حیثیت کے تناظر سے الگ کر کے نہیں سمجھ سکتے جیسے ایک پیشے سے تعلق رکھنے والے کی زبان دوسرے پیشے سے تعلق رکھنے والے کی زبان سے مختلف ہوتی ہے کسی مزدور کی کسی کسان سے، کسی تاجر کی کسی ڈاکٹر سے، اسی طرح مخصوص سماجی طبقات سے منسلک خواتین کی زبان بھی ایک دوسرے سے

فرق ہو گی۔ ان کے ماحول رسوم ورواج، کام کاج کی نوعیت، گھر میں مقام و حیثیت، پردے کا انتظام، ماحول اور سب سے خاص ان کی جذباتی زندگی کے اتار چڑھاؤ یہ تمام عناصر نسائی زبان میں جھلکتے ہیں ہیں۔ نسائی زبان کے جذباتی ذائقے اپنی جداگانہ پہچان رکھتے ہیں، یہاں ہمیں "پیلوں پکیاں وے" سے لے کر " اماں میرے باوا کو بھیجو ری کہ ساون آیا" اور "چھاپ تلک سب چھین لی رے موسے نیناں ملائی کے" علاوہ بے شمار ثقافتی رنگ بھی ہیں اور شادی بیاہ اور بچے کی پیدائش سے متعلقہ بیسیوں رسوم کے الگ الگ گیت اور بولیاں بھی زبان کا حصہ ہیں جن کا تذکرہ " رسومِ دہلی" میں سید احمد دہلوی نے بھی کیا ہے۔ جیسے جچا گیریاں یا زچہ گیریاں جو بچے کی پیدائش پر گائی جاتی تھیں مثلاً:

آج جنم لیا میرے راج دُلارے نے پالنا بناؤں گی، ری پالنا بناؤں گی
گھی کھچڑی بھیجی بابل جب رنگ سگھڑ، جچا کو میں تارے دکھاؤں گی،
ری پالنا بناؤں گی

ایک اور معروف جچا گیری گاتی تھیں کہ:

البیلے نے مجھے درد دیا سانولیا نے مجھے درد دیا
پائیلیا نے مجھے درد دیا
جاو کہو لڑکے کے باوا سے اونچی نوبت دھرواؤرے
البیلے نے مجھے درد دیا سانولیا نے مجھے درد دیا
جاؤ کہو لڑکے کے نانا سے رنگ بھری کھچڑی لاؤرے
البیلے نے مجھے درد دیا سانولیا نے مجھے درد دیا
جاؤ کہو لڑکے کے ماموں سے ہنسلی کڑے گھڑواؤرے
البیلے نے مجھے درد دیا سانولیا نے مجھے درد دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اسی طرح شادی بیاہ کی تمام رسومات جن میں مہندی، ابٹن، چھوچھک، ڈھولک، مانجھے بٹھانے، آرسی مصحف، شربت پلائی، ٹونا، رخصتی اور چوتھی کی رسومات، سیٹھنیاں اور سہرے کے الگ الگ گیت گائے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر سہرے کا ایک گیت یوں گایا جاتا تھا:

ہمارے ہریالے بنے کے لیے گوندھ لا سہرا مالنیا
بیلے چمیلی کی کلیوں کا سہرا، گوندھ لا سہرا مالنیا

آؤ میری مالن، بیٹھو میرے آنگن، کہو سہرے کا مول
سات لاکھ سہرے کا مول، بی بی عطر میں بسی کلیاں
ہمارے ہریالے بنے کے لیے گوندھ لا سہرا مالنیا

سہرے اور رخصتی کے گیتوں کے علاوہ ایک معروف اور عجیب صنف "سیٹھنیاں" کی بھی ہے جو صرف عورتیں ہی گایا کرتی تھیں۔ اس میں برملا طنز و تضحیک کے تیر چلائے جاتے تھے مگر فریقین انھیں ہنستے ہنستے برداشت کر جاتے۔ یہ دراصل فحش گالیاں ہوا کرتی تھیں۔ یہ مذاق کے طور پر شادی میں شریک گھریلو عورتیں یا ڈومنیاں ،میراثنیں مل کر گایا کرتیں جیسے:

چندا سا دولہا لایا بارات، پھلواری سی بن گئی دن رات
گھوڑے دلہا آیا سوار، دلہا کا ابا گدھا سوار
دلہن کی امی بڑی سیانی، ہاتھی پہ چڑھ آئی مستانی

خواتین بہت جلد بدشگونی، پرچھانویں، تعویذ گنڈوں اور عمل کروانے جیسی خرافات کا شکار ہو جاتی ہیں اور کبھی کالی بلی کے راستہ کاٹنے اور کبھی دودھ گر جانے یا شیشہ ٹوٹنے سے بدشگونی مراد لے لیتی ہے جس کی زبان کا جائزہ لینے سے پیشتر اس تمام پس منظر کا مطالعہ کرنا اس لئے ضروری ہے کہ جن حالات کی بدولت اردو زبان کا ایک بڑا حصہ ان نسائی الفاظ و محاورات تلمیحات، ضرب الامثال اور کہاوتوں پر مشتمل ہے اس کے پیچھے ہندوستانی تہذیب کا مضبوط عمل دخل رہا ہے جس نے عورت کو رمز و ایما اشارات و علامت جیسے انداز تکلم کی طرف مجبور کیا اور کچھ اس کی زبان دانی کی فطری صلاحیت میں سے چار چاند لگا دیے ان کی مختلف حیثیتوں نے اس کو رواج دیا، محدود سماجی میل جول نے اسے خاص غذا مہیا کی دہلوی تہذیب نے اس میں ادب و آداب اور شائستگی کے لوازمات ڈالے اور لکھنوی پر تکلف ماحول نے اسے انفرادیت و نخوت بخشی، رواج کی فراوانی نے اس کو رنگینی اور زرخیزی عطا کی اور سب سے بڑھ کر ہندوستانی عورت کے مزاج کو اس ہشت پہلوی ماحول نے وہ مواقع فراہم کئے کہ ہمیشہ کے لیے ہزاروں نسائی رنگ اردو زبان کو رنگین دھاگوں کی گندھی ڈوری میں باندھتے چلے گئے۔ اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس کا رسم الخط عربی ہو یا دیوناگری اس میں ہندوستانی تہذیب کا انمول اور یادگار سرمایہ ہے اور زبان کا چٹخارے دار مخصوص ذائقہ ہے۔ عورت اور مرد کی زبان کے فرق کی ایک مثال محی الدین حسن نے "دلّی کی بیگماتی زبان" میں بھی بیان کی ہے جو کچھ یوں ہے:

محی الدین حسن کے مطابق اگر کسی کا حلیہ بیان کرنا ہو تو مرد یوں کہتے تھے

"مرزا صاحب بڑے نازک مزاج چھوٹا سا قد اچکن پہنے ہوائیاں بھرتے ، لپائیں چھپائیں، ہر محفل کی رونق بنے پھرتے تھے مگر اپنے دل کی بات دل ہی میں رکھتے کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتے اسی بات کو اپنے مخصوص لہجے میں خواتین اس طرح ادا کرتیں"
اے ہے! مرزا صاحب بڑے سبک مزاج، بوٹا سا قد انگلی پر ڈالنے کے لائق تھے، اچکن پہننے ہر محفل میں دیکھ لو مگر اپنے جی کی جی میں رکھتے کسی سے نہ کہتے "(۷)

محی الدین حسن کا کہنا ہے کہ اگر کوئی مرد اس طرح سے بولتا کہ تیرا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا تو اس کے مقابلے میں عورت کہتی ہوئی اوئی ہوئی تیری مت تو نہیں ماری گئی یا ناس پٹے تیری مت تو نہیں کٹ گئی۔

نائن اور مشاطہ کے کرداروں کے ذکر کے بنا نسائی زبان کا تذکرہ کبھی مکمل نہیں ہو سکتا جن کے باعث رشتے طے کیے جاتے تھے اور بر ڈھونڈے جاتے تھے۔ان کی چرب زبانی کا فن اچھے اچھوں کو شیشے میں اتار لیتا تھا۔ان کا آنا جانا ہر گلی محلے میں رہتا تھا۔ جب کسی کی تعریف کرنا چاہتیں تو کہتیں کہ بٹیا تو چاند سی ہے آنکھیں بنا سرمے کے کٹیلی ایسی چمکدار گویا موتی کوٹ بھرے ہوں، قد بوٹا سا، رنگت گویا میدے اور شہد کا ملاپ، آواز جیسے شہد کا ٹپکا عقل دانش میں طاق۔۔۔۔۔۔ وغیرہ۔ اور یہی نائن جب بہو بیٹے کی خامیاں گنواتی ہے تو کہتی ہے:

"لوگ کہتے ہیں، ہے پر ماتما بیٹا دے، بیٹا دے، بیٹا ہوا تو کون سا نہال کر دیا، اور بہو کے لچھن تو دیکھو، مری جُوں کی سی ہے۔ کام کی نہ کاج کی ،ڈھائی من اناج کی۔ ہوئی فجر چولھے پہ نجر، لاکھ سمجھاتی ہوں کسالے کیکمائی ہے یوں نہ گنواؤ لیکن دونوں کے دونوں چکنے گھڑے ہیں ۔ بوند پڑی اور پھسلی۔ ٹھیک ہے بھئی چار پیسے کی مایا ہے لیکن جب کوڑی پلے نہ رہے گی ناوے کا اچھی طرح سُلفہ ہو جائے گا پھر کیا ہو گا، ہو گا کیا؟ ہو گا وہی بس چنے چبوالو، شہنائی بجوالو۔ اری بیٹیو کیا بتاؤں ان دونوں کو تو حرام مال کا چسکا پڑ گیا ہے۔ خرچ گھنا اور پیدا تھوڑی، کس پر باندھوں گھوڑا گھوڑی "(۸)

انیسویں صدی میں جب مرد لکھاری کی تعداد بھی انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی اس وقت ہندوستان بھر میں بہت معدودے چند خواتین لکھاری نظر آتی ہیں۔ ان میں سے بھی اکثریت ایسی تھیں جو اپنے اصل نام کے بجائے فرضی نام سے یا مردانہ نام سے لکھتی تھیں۔

ڈاکٹر دھرم ویر پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، بھارت کے معروف محقق و مصنف ہیں۔ انھوں نے ایک گمنام ہندو عورت کی ۱۸۸۲ء میں شائع ہونے والی ایک کتاب جو انھیں کسی ردی کے ڈھیر سے ملی تھی اور دیوناگری رسم الخط مین تھی اسے "سمینتنی اُپدیش" کے نام سے دوبارہ ۱۹۸۸ء میں شائع کروایا اور اس کتاب کا اردو ترجمہ نورالاسلام نے کیا۔ یہ کتاب کسی امیر ہندو گھرانے کی عورت کی لکھی ہوئی ہے اور انیسویں صدی کی ہندوستانی عورت کی زندگی، اس کے مشاغل، اس کے عقائد، توہمات، رسومات اور نظریات پر کھلے لفظوں میں بیباکانہ اظہار پر مبنی ہے۔ اس کتاب کو "فیمنزم" کی تاریخ کے اولین نقوش میں نمایاں جگہ دی جاسکتی ہے۔

اس کتاب میں انتہائی سخت الفاظ میں عورتوں کی کم علمی، جہالت، توہم پرستی اور بے شمار قدیم رسومات و عقائد پر کڑی تنقید کی گئی ہے۔ ہندوستانی عورت کے لباس، زیورات، اولاد کی خواہش، سہاگ کی نشانیوں والے زیورات، رانڈ یا بیوہ کے لیے کڑی شرائطِ زندگی، شادی بیاہ اور موت پر ادا کی جانے کی فضول رسومات، عورتوں پر مظالم کے رجحانات اور طریقے، پتی ورتا اور معاشرتی دباؤ پر مشتمل موضوعات پر برملا اظہار کیا گیا ہے۔ توہمات کے باب میں "ایک گمنام ہندو عورت" لکھتی ہیں کہ بے اولاد خواتین سے کہا جاتا کہ سانپ کو مار کر اس کے اوپر کھڑے ہو کر نہانے سے، چوہے کی مینگنیاں دودھ میں ملا کر پینے سے، کسی کے بچے کے بال نوچ کر جلا کر پھانکنے سے یا کسی کالے جیتے بھنورے کا کھانے سے بچے پیدا ہونگے اور وہ ان تمام ٹونے ٹوٹکوں پر عمل کرتی تھیں۔ کہیں کچھ خاص زیورات کو سہاگ کی نشانی قرار دیا جاتا تھا جیسے گلے میں مالا، پیر کی انگلیوں میں بچھوے یا بنوٹ پہننا اور ناک کی نتھ چاہے وہ کتنی ہی بدوضع اور بھاری ہو کہ ناک کا چھید پھٹ جائے۔ ایک جگہ وہ لکھتی ہیں:

> "کیا یہ وہی ہیں جنھوں نے علم کے زور سے گایتری، برہمہ وادنی خطاب حاصل کیا تھا کیا غم کا دن ہے کہ اب جہالت کی بدولت چڑیل، بھوتنی، بد ذات خطاب ان کو ملتا ہے! کیا یہ وہی ہیں جو شبھے، بھدرِ، سادھوی کے نام سے پکاری جاتی تھیں؟ اب ان کے بجائے بے وقوف، کم عقل، کُٹل، کلہنی، ناقص، نام سے پکاری جاتی ہیں! کیا یہ وہی ہیں جو ایک برہمہ کی اُپاسنا (عبادت) کرتی تھیں؟ افسوس، اب پتھر، پیتل، دھاتو، بوڑھا بابو، اوپر والی (چڑیل) شیخ سدو، نگاہے والا، سانپ، بچھو، الو، چیل، کوا کو پوجتی ہیں۔"(۹)

خواتین کے ہاں دعائیہ کلمات اور کوسنوں کی بھی طویل فہرست موجود ہے جو خصوصاً دہلی اور گردونواع کی خواتین عام طور پر بولا کرتی تھیں اور کیا خوب اصطلاحیں استعمال کرتی تھیں جن سے سینکڑوں روزمرہ اور

محاورات، دعائیہ اور توہماتی کلمات نے جنم لیا جیسے: سونے میں پیلی موتیوں میں سفید، اللہ کرے ڈپٹی کلکٹر ہووے، اللہ اللہ کرتی گھی کے پاپڑ تلتی تھی، فاتحہ نہ درود کھا گئے مردود، صورت نہ شکل بھاڑ سے نکل، شاہ عباس کا علم ٹوٹے، رائی نون تیرے دیدوں میں، آنکھ میں سور کا بال ہے، جنم میں تھوکنا، کوڑھ ٹپکے، اور خواتین کے کوسنوں میں مختلف نام اور اصطلاحات دیکھیے: اُچھال چھکا، بڑبولی، سٹھیائی، چمکو، پخنی کلموہی، گاؤدی، پچوڑی، بتولن، خبطن، باؤڈنڈی، باتوں کی پڑیا، آفت کی پرکالہ، وغیرہ

محاورات کی مد میں سینکڑوں نہیں ہزاروں محاورات خاص نسائی زبان کی دین ہیں جیسے :

عید کا چاند ہونا، آب آب ہونا، جوتیوں میں دال بٹنا، آگ پر لوٹنا، انگارے کھانا، چھاتی پہ مونگ دلنا، دروازے پر ہاتھی جھومنا، سرخاب کے پر لگنا، کن سیاں لینا، جھاڑو پھرنا، تنکا توڑنا، دانت کاٹی روٹی، جیتی مکھی نگلنا، پالتیوں کو پنوانا نگوڑی ناتھی ہونا، پانچوں انگلیاں گھی میں ہونا، دو ہاتھ کی تالی بجنا، دو کوڑی کا نہ ہونا، دو کلمے پڑھوانا وغیرہ۔

اسی طرح بہت سی پہیلیاں اور لوریاں نسائی زبان کا اثاثہ ہیں جن سے ان کی زندگی کے مختلف مشاغل اور جذبات و احساسات کا پتا چلتا ہے۔ اکثر بڑی بوڑھیاں جب بچوں کو کہانیاں سنایا کرتیں تو ان سے زبان کی مشق بھی کرواتیں جسے "ضربیں لگانا" کہا جاتا ہے مثلاً بنا سانس لیے تیز تیز کسی جملے کی بار بار تکرار کی مشق کو کہنا جیسے پرمیشور سنگھ نے "عالم میں انتخاب–دلی" میں دادی، نانی اماں کی بچوں میں زبان کی طاقت پیدا کرنے والی چند ضربیں نقل کی ہیں

"چھجو کے چھورے کی چھوری نے چھجے پر چھپ سے چھچھوندر چھوڑ دی
چندو کے چاچا نے چندو کی چاچی کو چاندی کے چمچے میں چٹنی چٹائی
کچھ اونٹ اونچا کچ پونچھ اونچی کچھ پونچھ اونچی اس اونٹ کی"(۱۰)

زبان کے اس قیمتی سرمایہ کا اندازہ دو سو سال قبل ہی ہو گیا تھا اور اس وقت اردو زبان کے مایہ ناز ناول نگار، شعراء، قواعد و للغات کے مرتبین اور مؤلفین زبان کی نوک پلک سنوار رہے تھے تو انہوں نے اس نسائی زبان کے سرمائے کو تخصیص کے ساتھ محفوظ کرنا شروع کر دیا اس سلسلے میں ڈپٹی نذیر احمد نے اردو کے اولین ناولوں میں نسائی زبان و محاورات کو بڑی خوبی سے برتا اور جعفر علی خان نے "فرہنگِ اثر" میں بیگماتی زبان، نسائی محاورات، روزمرہ اور ضرب المثال کو جمع کیا۔ محمد منیر الدین نے "محاورات نسواں" کے نام سے لغت مرتب کی۔ مولوی عابد

حسین نے "گلدستہء محاورات "میں نسائی محاورات کو جگہ دی۔"قرار اللغات کے نام سے سید تصدق حسین نے اور "اردو زبان و تلمیحات "کے نام سے محمود نیازی نے کام کیا۔ محمد نجم الدین نے بھی اس سلسلے میں "اردو زبان اور ضرب الامثال "کے نام سے ایک قابل قدر ذخیرہ ءہ ضرب المثال جمع کیا۔ مگر ان سب میں سب میں سے سب سے اہم نام جس کی شاندار خدمات کو اردو زبان کے لیے عظیم سرمایہ قرار دیا جاسکتا ہے وہ نام سید احمد دہلوی کا ہے جنھوں نے "فرہنگِ آصفیہ "کے علاوہ لغات النساء، مرقع تکمیل الکلام، مرقع زبان دلی، ناری کتھا، تحریر النساء، انشائے ہادی النساء، رسوم دہلی، فسانہ راحت اور رس کھان، جس میں پہیلیاں، کہہ مکرنیاں،، سیٹھنیاں، دوہے، بھجن اور گیت شامل تھے مرتب کیں۔

زبان کا بڑا حصہ خواتین کی گھریلو ذمہ داریوں اور اندرونی خانہ کے معاملات پر مشتمل ہے جس میں کھانے پکانے کے حوالے سے یا خانہ داری کے بابت سینکڑوں ضرب الامثال اور محاورات اردو میں شامل ہیں جیسے غریبی میں آٹا گیلا ہونا، دھنیے کی کھوپڑی میں پانی پلانا، آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہونا، اُبالا سُبالا، ایک توے کی روٹی کیا چھوٹی کیا موٹی، نو قنوجی نوے چولھے، بھُس میں ڈال چنگاری بی جمالو دور کھڑی، بیچ چوراہے ہانڈی پھوڑنا، جو ہانڈی میں ہو گا وہی ڈوئی میں نکلے گا، چیونٹیوں بھرا کباب وغیرہ۔

اسی طرح بہت سے لفظ بچوں کو پالنے اور ان کے ساتھ توتلی زبان بول ک بات کرنے سے متعلق ہیں جو مرد نہیں بولتے تھے عورتوں کی ایجاد ہیں جیسے بچے کی خاطر توتلی زبان میں نیند کے لیے نینیا نینو کا لفظ استعمال کرنا، پیشاب کروانے کے لیے بچوں کو کو سو سو یا سی سی کہنا بلی کے لئے ماؤں اور بچوں کو ڈرانے کے لیے بھاؤ یا بھاؤ بلا آ گیا کہنا، اور اس کے علاوہ انا` ددا` چھو چھو جیسے لفظ اور بے شمار لوریاں بھی نسائی زبان کی دین ہیں۔

زبان کے اس ابتدائی سفر میں مسلمانوں کی آمد کے بعد اور مقامی خواتین سے شادیاں کرنے کے بعد یہاں کی طرز معاشرت میں بھی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں یہاں کی مقامی آبادیوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے بعد ہندو مسلم معاشرت کے بہت سے اشتراکات سامنے آنے لگے مقامی افراد نے مذہب بدلا بھی تو طرز معاشرت اور ثقافت میں کوئی نمایاں تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔

باہر سے آنے والوں نے بھیپہاں کے رنگ کو کافی حد تک اپنا لیا۔ ایسی کئی زنانہ رسومات تھی جو مسلم ثقافت کا حصہ تھی مسلمانوں کے ساتھ ہندوستان میں آئیں جیسے بی بی کی صحنک، اور لکھنؤ میں محرم کی مجالس، تعزیہ داری، اور دیگر متعلقہ رسوماتلیکن کتنی ہی ایسی رسومات اور عقائد کے تصوّرات تھے جو پہلے سے موجود اور قائم رہے

کچھ میں معمولی ردوبدل ہوا۔ فارسی زبان اور مسلم حکمرانوں کے ساتھ ایک نئی زبان و تہذیب بھی متعارف ہوئی عربی فارسی سنسکرت اور مقامی زبانوں کا نیا اشتراک اپنی پہچان بناتا چلا گیا اور لباس سے لے کر کھانے تک اور شادی بیاہ سے لے کر موت کی رسومات تک یہ اشتراک اور بڑھتا چلا گیا۔ "تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند" کی جلد اول میں لکھا ہے کہ:

> "مسلمانوں کے بالائی علاقوں میں ہندوانہ تعلیمات اور تصورات کے پھیلانے میں عورتوں کا بڑا دخل تھا باہر سے آنے والے مسلمانوں نے اکثر و بیشتر صورتوں میں برصغیر کی عورتوں سے شادی کی اور اگرچہ عورتوں کو مسلمان بنالیا جاتا تھا پھر بھی وہ اپنے قدیم میں اوہام و عقائد ترک نہیں کرتی تھیں اس لیے ہندوانہ رسوم و رواج مسلمانوں میں بھی عام ہوگئے مثلاً منگنی اور شادی کی رسوم، حاملہ عورتوں کا گرہن کے زمانے میں فاقہ کرنا، نظر بد سے بچنے کے لیے خاص خاص تدابیریں، سالگرہ کی رسم ،بیواؤں کا چوڑیاں توڑ دینا، شیخ سدو کا تصور، جادوٹونے پر اعتقاد وغیرہ" (۱۱)

تاریخ ادبیاتِ ہند میں اس زنانہ معاشرت کی بابت مزید لکھا ہے کہ عورتوں کا قید کی حد تک پردہ، بڑوں کا حد سے بڑھا ہوا ادب اور سخت گیر اصول و ضوابط کا یہ رواج اسی تہذیب میں بہت زیادہ تھا اور اس کو رواج دینے میں خواتین پیش پیش رہی ہیں۔

یہاں کے طبقاتی نظام، سماجی پابندیوں، بیرونی دنیا سے کم سے کم روابط بلکہ بے خبری کی حد تک لاعلمی اور جہالت کی حد تک تعلیم کی کمی نے احساس کمتری کا شکار، کمزور اور کم تر مخلوق سمجھے جانے کے تاثر نے عورت کو نفسیاتی اور معاشرتی دباؤ تلے دفن کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ اس لیے خواتین کے اندر توہم پرستی اور کمزور اعتقاد ،فرسودہ خیالات اور شگون پیدا کیے جن کے متعلق بے شمار مثالیں نسائی زبان کا خاص حصہ رہی ہیں تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند میں لکھا ہے

> " عام طور پر عورتوں کی دلچسپی اور شادی بیاہ بچے کی پیدائش، عقیقہ بسم اللہ وغیرہ کی رسم تک محدود تھی مردوں کا مردوں کے ساتھ، عورتوں کا اختلاط عورتوں کے ساتھ ہی مناسب سمجھا جاتا تھا البتہ مردوں کو آزادی حاصل تھی کہ شہر کی خوب صورت طوائفوں کی رفاقت حاصل کریں"(۱۲)

ہزارارہا محاورات ایسے موضوعات کی بابت نسائی زبان کا حصہ بنے جیسے کھاٹ الٹانا ، تیرہ تیزی کی گھنگنیاں، تیسوں کلام اٹھانا، روٹی اٹھانا، بڑی اٹھانا، قسم اٹھانے کے طور پر کہا جاتا تھا اور دھوبن کو اُجلی کہنا دھوبن نہ کہنا کہ یہ جادو میں کام آنے والی چڑیا کا نام تھا۔ سانپ کو ماموں یا رسی کہنا کیونکہ یہ عقیدہ تھا کہ اگر سانپ کا نام بھی لیا جائے تو سانپ گھر میں گھس آتا ہے۔ سناؤنی دینا یعنی موت کی خبر دینا۔ ان گنا مہینہ لگنا یعنی حمل کا آٹھواں مہینہ شروع ہونا، آٹھویں کا نام نہیں لینا کے آٹھویں ماہ کا حمل عموما اگر بچہ پیدا ہو جائے تو وہ زندہ نہیں بچتا۔ کالی بلی کا راستہ کاٹنا، اور سہاگ کے کپڑوں یعنی شادی کے کپڑوں کو قینچی لگوانا، چادر ڈالنا کا مطلب بیوہ عورت کو زیر تصرف لانا، ٹھیکرے کی مانگ قرار دینا یعنی پیدائش کے وقت جس ٹھیکری میں نومولود کی آنول ڈالی جاتی تھی اس میں سکہ ڈالنے والی عورت کے بچے سے نومولود کی منگنی کی نسبت طے کر دی جاتی تھی۔ ایسے الفاظ اردو زبان کے مختلف نثر پاروں میں موجود ہیں جو نسائی زبان کے توسط سے اردو کا حصہ بنے۔

گنتی اور اعداد و شمار کے حوالے سے اردو میں کتنے ہی ایسے الفاظ شامل ہیں جو عورتوں کی اختراع ہیں۔ وحیدہ نسیم "عورت کی زبان" میں لکھتی ہیں کہ عورتوں نے گنتی کا اپنا ہی نظام وضع کر رکھا تھا جیسے:

> "اس سلسلے میں کئی ایک دلچسپ امر یہ بھی ہے کہ عورتوں کو بیس سے زیادہ گنتی یاد نہ تھی۔ اس لئے وہ روپوں، عمر اور اشیا کا حساب کتاب صرف بیس کے ہندسے سے کیا کرتی تھیں مثلا بیسی، جس کی عمر بیس برس ہو چالیس کے لیے دو بیسی مثل مشہور ہے بیسی کھیسی، ساٹھا پاٹھا"(۱۳)

اسی طرح وہ کپڑوں کی سلائی کٹائی کے وقت ناپ، میٹر یا انچ کے بجائے بالشت انگل دو انگل، انگوٹھے اور شہادت کی کھلی انگلی کے بیچ کے فاصلے کو نِم کہا کرتی مہینہ ختم ہونے کو چاند بھرنا کہتیں، ہفتے کو اٹھوارا ای اور دو ہفتے کو پندرواڑہ بولتی تھیں۔ بیس کلو کو ادھمنی یعنی آدھا من کہا کرتیں۔

عورت نے ہمیشہ زبان کی اختراع اور نگہداشت میں کلیدی کردار ادا کیا ہے اس کا تعلق آسٹریلیا سے ہو یا چین سے برصغیر کی رہنے والی ہوں یا یورپ کی آزاد فضاؤں کی باسی اس کی زبان کے متعلق ماہرین کی ایک ہی رائے ہے کہ ہمیشہ عورت کی نسبت سے مادری زبان کی اہمیت افادیت مسلمہ رہی ہے کبھی پدری زبان کے لئے کوئی سوال نہیں ہوتا کیونکہ عورت نے بحیثیت ماں انسانی ذہن کی صاف سلیٹ پر زبان کی مدد سے وہ گہرے تصورات نقش کیے ہیں۔ وہ زبان کی محافظ بھی ہے اور اس میں اور تغیر کی امین بھی کہلاتی ہے عورت کا ذخیرہ الفاظ بھی مرد کی نسبت زیادہ ہوتا

ہے ہر قوم کی زبان کی کہانی اس کی اصطلاحات کا مطالعہ اور اس کے مرکبات استعارات و تشبیہات اور اس میں روزمرہ و محاورات کثرت سے عورت ہی سے وابستہ ہیں خصوصاً خانگی زندگی کی بابت جس قدر محاورات اردو میں عورت کی زبان میں جمع ہو چکے ہیں مرد کی زبان اس کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتی۔ فرمان فتح پوری کا کہنا ہے:

"خود ہندوستان کے اندر اندر تعلیمیافتہ اور مہذب طبقوں میں دیکھئے کہ خانگی زندگی کے متعلق جس قدر بڑا ذخیرہ الفاظ عورت کے پاس ہے مرد کے پاس نہیں ہے محاورات ،ضرب الامثال ،لطیفے، قصص و حکایات وغیرہیہ سب عورتوں ہی کے دماغ میں محفوظ ہیں۔ لکھنو اور دہلی میں جہاں کی اور کئی باتیں زمانے میں مشہور تھیں وہاں صرف عورتوں ہی کی زبان مستند سمجھی جاتی تھی اور آج بھی اگر کوئی شخص ان مقامات کی اصلی اور صحیح زبان سیکھنا چاہتا ہے تو صرف عورت ہی سے سیکھ سکتا ہے۔ بڑی جماعت مردوں کی ایسی ہے جو ان محاورات اور الفاظ سے واقف نہیں ہے اس لیے ظاہر ہے ان محاورات و الفاظ کو عورت ہی نے ختراع کیا ہے۔ (۱۴)

ماہرین لسانیات کا ماننا ہے کہ خواتین مردوں کے مقابلے میں لطیف الفاظ کا چناؤ کرتی ہیں اور جنسیاتی معاملات پر مردوں کی طرح کھلے لفظوں میں گفتگو کرنے کے بجائے متبادل مترادفات یا علامتیں بیان آتی ہیں بہت سی جذباتی کیفیات کا اظہار ڈھکے چھپے اور استعاراتی انداز میں کرتی ہیں عورتوں کے پاس جذبات نگاری کے لئے الفاظ کی کمی نہیں ہوتی وہ وزیادہ بہتر سادہ انداز میں گفتگو کا سلیقہ رکھتی ہیں انہوں نے اس حوالے سے لال قلعے کی بزم آرائی کو تہذیبی ادارے کا درجہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ وہاں ایک ایک لفظ پر طویل مباحث ہوا کرتے تھے تب ان الفاظ کو ٹکسالی لغت میں داخل کیا جاتا تھا۔ قلعے میںن رہنے والی خواتین بچپن ہی سے مختلف علوم و الفاظ کی درست ادائیگی پر دھیان دیتی تھی۔

اردو زبان میں نسائی زبان پر مشتمل الفاظ اور جذبات کا ایک بڑا ذخیرہ "ریختی "کی صورت میں بھی موجود ہے جس کا یہاں ذکر نہ کرنا ناانصافی کے مترادف ہے محمد عسکری نے کلام انشاء کو مرتب کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ریختی عورتوں کی زبان میں مخصوص رنگ کے اشعار کو کہتے ہیں مگر واضح رہے کہ شریف عورتوں کی زبان جو گھریلو سطح پر بولتی ہیں وہ ریختی نہیں ہے اور نہ ہی خیال کرنا چاہیے کہ ریختی ہندوستان کی مسلمان عورت کی زبان کہلائی جائے یہ بازاری عورتوں کی اور طوائفوں کی زبان تھی مگر اس کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ ایک ریختی ہی تھی جہاں

ہمیں انسانی زبان اور جذبات کا بہت بڑا ذخیرہ میسر آتا ہے یہ ایک مخصوص دور کے مخصوص شعراء کی اختراع یا تحریک تھی جو زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکی اور اپنے عہد میں بھی سب شعراء نے ریختی گوئی میں حصہ نہ لیا۔ یہ نسائی زبان کے الفاظ و تراکیب تشبیہات و استعارات اشارہ علامت اور رمز وایما سے مزین شوخی وادا سے بھرے مخصوص موضوعات پر مشتمل شاعری ہے پروفیسر رشید احمد صدیقی نے کیا خوب کہا تھا کہ غزل اردو شاعری کی آبرو ہے اور ریختی اردو شاعری کی وہ آبرو باختہ اور بدنام صنف ہے جس میں عورتوں کے جذبات واحساسات کا گفتنی و ناگفتنی بعض اوقات مضحکہ خیز بیانات ملتے ہیں اور اسے عہد رفتہ کی اردو شاعری کی "بلیو فلم" کہنا بہتر ہو گا۔ ریختی چونکہ شعری اصناف میں سے ہے اس لیے اس کی مثال میں چند اشعار پیش ہیں:

مانو میرے کہنے کو ابھی کورا پنڈا ہے
بن بیاہی ہو واریہ چلن ہے نہیں اچھا (جان صاحب)
مہندی چھٹتی نہ آپ گھس جاتیں
دو گھڑی کو اگر چلی آتیں (شوق)
تمارا مال ہے ہر وقت اختیار میں ہے
خبر نہ ہو نا دولہن ابھی بخار میں ہے (جان صاحب)
اے دوگانہ زندگی میری تری مرضی پہ ہے
لاکھ صدقے تیرے اک جی پر کہ تو دو جی سے ہے (جان صاحب)
بن سر ڈھکی ہوئی تجھے کیا چاہیے بھلا!
بوٹے سے قد پہ اس بڑے آنچل کی اوڑھنی (انشاء)

اس طرح کے کئی رنگین موضوعات جو خالص زنانہ موضوعات کہے جاتے ہیں اور جن میں نسائی زبان کا ایک رنگ نظر آتا ہے صرف ریختی میں ملتے ہیں۔ جان صاحب، انشا، جرءات، شوق اور رنگین نے ریختی میں خاص رنگ جمایا۔ عورت کی فطرت اس قسم کی ہے کہ اسے قدیم داستانیں پہلیاں گیت بڑی جزئیات کے ساتھ یاد رہتی ہیں اور وہ اپنی ذاتی زندگی اور مشاہدے کی بدولت زبان و بیان کی تمام تر چاشنی کے ساتھ پرانے واقعات اور یادداشتوں کو نہ صرف محفوظ رکھنے بلکہ اگلی نسل تک منتقل کرنے کی ذمہ داری خود بخود بخود ازل سے اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھائے چلی جارہی ہے اور اس میں اپنی جانب سے اختراع اور اضافے کی جدت سے اضافہ بھی کرتی چلی آرہی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ Alaxis Carrel, Man the unknown,New York,1949,p 91

۲۔http//onlinelibrary.wileg.com/doi/10.1525/aa.1888.1.2.02900140/pdf

۳۔ عبدالحق، مولوی، عورتوں کی زبان، مشمولہ، اردو میں لسانی تحقیق، مرتبہ عبدالستار دلوی، بک ٹاک لاہور، ۲۰۱۸، ص ۱۲۳

۴۔ علی عباس جلالپوری، روایات تمدن قدیم، تخلیقات لاہور، ۲۰۰۲، ص ۲۲۶

۵۔ علامہ نیاز فتح پوری، عورت اور فنون لطیفہ، فکشن ہاؤس لاہور ۲۰۱۷،، ص ۱۲۱س

۶۔ پنڈت برج موہن دتہ، لفظ و معنی، مشمولہ، اردو میں لسانی تحقیق، مرتبہ، عبدالستار دلوی، بک ٹاک لاہور، ۲۰۱۸، ص ۱۹۸

۷۔ محی الدین حسن، دلی کی بیگماتی زبان، دی عثمانینس شگاگو سوپریم پرنترس، شامبرگ، ایلینائے شگاگو، امریکہ، ۲۰۰۷، ص ۱۴-۱۵

۸۔ مہیشور دیال، عالم میں انتخاب–دلی، اردو اکادمی دہلی، ۲۰۱۵، ص ۳۸۸

۹۔ ایک گمنام ہندو عورت، سمینتنی اُپدیش (تانیثی ادب کی ایک زریں دستاویز)، تدوین، ڈاکٹر دھرم ویر، مترجم، نور الاسلام، عکس پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۹، ص ۴۸

۱۰۔ مہیشور دیال، عالم میں انتخاب–دلی، اردو اکادمی دہلی، ۲۰۱۵، ص ۳۸۸

۱۱۔ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند، جلد اول، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۲۰۰۹، ص ۱۷

۱۲۔ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند، ص ۱۹

۱۳۔ وحیدہ نسیم، عورت کی زبان، عضسنفرا کیڈمی کراچی، ۱۹۹۴، ص ۱۳۵۔

۱۴۔ فرمان فتح پوری، عورت اور فنون لطیفہ، ص ۱۲۳